’’دینار‘‘

’’ترسک گاؤں کی چمنیاں دھواں اگلنے ہی والی ہیں۔‘‘

سیب اور انجیر کے باغوں سے ذرا قریب اور ذرا دُور، پہاڑی دربانوں کی آنکھوں کے عین نیچے ترسک گاؤں کی کچی پگڈنڈیوں کو بچے اپنے پیروں تلے روندتے، میدان جنگ میں لوٹ مار مچانے والوں کی طرح شور برپا کرتے بھاگ رہے ہیں۔ وہ ابھی ابھی سیب کے باغ سے سیب چرا کر آئے ہیں۔ جن سرخ سیبوں کی تازہ خوشبو اڑ کر دینار سے ایسے لپٹتی ہے جیسے وہ خود بھی سیب چرا کر بھاگی جا رہی ہے۔

گول فریم پر پھول کاڑھتے اس کے ہاتھ رُک گئے ہیں اور یوں اس ٹھہرو پر دھاگہ اس کی انگلی سے لپٹتا تنبیہ کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ ’’سنو دینار! کچھ تو اپنی بے نوریت کا خیال رکھو۔‘‘

اس نے سر کو کھلی کھڑکی سے باہر نکالا اور دُور و نزدیک کھیتوں اور میدانوں میں شور مچانے والوں کے قہقہوں پر کلکاریاں بھریں۔

’’بی بی مہتابی! ذرا بتاؤ تو یہ سب شرارتی بچے جب سیب چرا کر بھاگتے ہیں تو بیرام بابا ان کے پیچھے نہیں بھاگتے؟

کیوں نہیں! بیرام بابا ان کے پیچھے اپنی لاٹھی لے کر بھاگتے ہیں۔

وہ ہنسی۔ ’’لیکن بچے کیسے بیرام بابا کے ہاتھ آتے ہوں گے۔ بابا بھی یہی چاہتے ہوں کہ کوئی ہاتھ نہ آئے کہ انہیں مارنا ہی پڑے۔ اچھے بابا! ان کی ڈاڑھی سفید ہے نا۔ سفید جو کہ تم کہتی ہو میری پتلیوں کے اطراف قابض ہے۔ کیا تم مجھے ان سیبوں کے ڈھیر تک لے چلو گی جسے لاد کر شہر لے جانا ہے۔ جو تازہ تازہ درختوں سے توڑے گئے ہیں۔؟‘‘

اب مہتابی کو خاموش ہو جانا تھا۔

’’بولو بی بی کیا تم ایسا نہیں کرو گی...... کیا تم میری آنکھیں نہیں بنو گی؟‘‘

’’بنوں گی‘ مجھے حدیثا خانم پیٹ ہی کیوں نہ ڈالیں۔‘‘ مہتابی نے حقیقت اور امکان دونوں پیش کر دیئے۔

’’حدیثا ماں! وہ ایسا ضرور کریں گی۔ خدا کی محبت پر مجھے اعتبار ہے لیکن پھر بھی حدیثا خانم ہی میری ماں ہوتیں کیا یہ ضروری تھا۔؟ وہ دھاگے کو اپنی انگلی پر لپیٹنے لگی جس کے رنگ سے وہ ناآشنا تھی۔

’’خدا کی محبت پر اعتبار ہو تو اس اعتبار کو کیا‘ کیوں‘ سے زائل نہیں کر دینا چاہیے۔‘‘

دینار نے اپنی نم آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے تھپکنا چاہا۔ ’’ہوا میں رچی یہ خوشبوئیں مجھے بے چین کر رہی ہیں بی بی۔‘‘

چلو میں تمہیں لے چلوں...... آؤ چلو...... حدیثا خانم مجھ پر کیسی ہی سختی کیوں نہ کریں۔‘‘ مہتابی ہر پیشکش پر حدیثا کا نام ایسے لیتی ہے جیسے حدیثا سے زیادہ وہ خود نہیں چاہتی کہ وہ باہر جائے۔ انجیر کے درختوں کے قریب جہاں گاؤں کے بڑے بوڑھے بیٹھ کر خوش گپیاں کرتے ہیں۔ دریار کے کنارے جہاں بچوں کو سارے کھیل سوجھتے ہیں۔ زلفیہ خانم کے تنور کے سامنے سے گزر کر جہاں عورتیں اپنے دن بھر کے کام ساتھ لیے بیٹھتی ہیں۔ آبشار کے پاس گھسے ہوئے بڑے پتھر پر جہاں غالیچے پر بیٹھے ترسک کی جوان لڑکیاں مالٹے اور سیب کھاتی

ہیں۔ پتھروں سے بنائے چولہے پر حلوہ بناتی ہیں' قہوہ کی پیالیاں بھر بھر کر پیتی ہیں اور شام ڈھلے اپنے ہاتھوں میں سازنی کے شاہکار لیے اٹھتی ہیں۔ مہتابی نہیں چاہتی کہ ترسک گاوں سے جڑے اس گھر جس کی دیواروں کو کسی گھر کی ہمسائیگی میسر نہیں ہے سے وہ اندھی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلے۔ وہ دینار سے محبت کرتی ہے اور بس یہ محبت کی خاطر ہی......صرف محبت کی خاطر......

''یہ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ یہ بھی تو ٹھیک نہیں ہوگا نا مہتابی......'' دینار کیسے چاہ سکتی تھی کہ حدیثا ماں مہتابی کو برا بھلا کہیں یا پیٹ ہی ڈالیں یا انہیں جتائیں کہ کیسے خزاں کے دنوں میں انہیں بھوک سے مرنے سے بچانے کے لیے وہ انہیں اناج دیتی ہیں۔

''لیکن میں نورو گل کی شادی میں تمہیں لے جانے کا وعدہ کرتی ہوں۔ میری جان جائے یا مجھے حدیثا خانم نکال دیں۔'' مہتابی وہ وعدہ بہت آسانی سے کر لیتی جس کی پاسداری کا وقت بہت دُور ہوتا۔

''نورو گل اور مہمیز۔'' اس نے دونوں کو ایک ساتھ سوچا اور یہ بھی کہ دونوں باغ میں چھپ کر ملتے ہیں۔ جیسا کہ باڑے کی صفائی کرنے والے لڑکے سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہیں۔ ''سارا گاوں جانتا ہے کہ دونوں باغ میں چھپ کر ملتے ہیں۔ جب نورو گل مہمیز کا دیا ریشمی رومال اپنے سر پر لپیٹ لیتی ہے تو سب جان جاتے ہیں کہ آج وہ آئے گا۔ اور وہ آتا ہے۔ جنوب کی ہواوں کو روک کر آنا ہو یا شمال کی ہواوں کو سوار بنا کر......وہ آتا ہے۔'' دینار ایسی سرگوشیاں سنتی ہے اور وہ پوری کہانی بنا لیتی ہے۔ وہ مہمیز کے لیے دعائیں کرتی ہے کہ وہ جنوب کی ہواوں کو روک کر، شمال کی ہواوں کو سوار بنا کر نورو گل کے لیے آجائے۔

''کیا نورو گل اور مہمیز کی شادی ہو جائے گی؟

''اُن کی شادی ضرور ہو جانی چاہیے......میں مہمیز کو پسند کرتی ہوں، وہ خاندانی رنجشوں کو بے کار سمجھتا ہے۔''

''کیا نورو گل بہت دُور دوسرے گاوں چلی جائے گی۔'' دینار نے ایسی جدائی سے جو نورو کی ماں ہی اس کے لیے محسوس کر سکتی تھی سے دُکھی ہو کر پوچھا۔ ایک ایسی سہیلی کے لیے جو بے قاعدہ بنی تھی نا با قاعدہ۔

''مہمیز کے ساتھ اسے جانا ہی ہوگا دینار......یہی رسم ہے۔''

''پھر اس باغ کا کیا ہوگا جہاں وہ ملتے ہیں۔'' اس نے شرارتاً کہا۔ مہتابی ہنس دی۔

''میں نورو اور مہمیز کی شادی میں ضرور جاوں گی......بی بی......سن لو......

''میں ضرور لے جاوں گی تمہیں، میں تو پہلے ہی وعدہ کر چکی ہوں۔'' مہتابی نے ہنسے بنا کہا۔ ایسی باتوں پر ہنسی کہاں آتی ہے۔

''حدیثا ماں کے ساتھ جا کر میرے لیے ریشم لے آنا۔ معرفت خالہ کو دے آنا کہنا اِس پر ویسے ہی پھول کاڑھ دیں جو سمرقند کے بازاروں میں جنت کے پھولوں کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ میں نورو گل کی شادی میں ایک بہترین لباس پہننا چاہتی ہوں۔''

''میں ریشم لے جاوں گی۔ مجھے بنفشی رنگ پسند ہے، مدینہ نے اپنی شادی کے دن پہنا تھا۔''

دینار شرما گئی۔ کیسے اشارے سے مہتابی نے اس کی شادی کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ ٹھیک ہے اسے بھی ایک دن دلہن بننا ہے۔ ہر لڑکی کی طرح وہ بھی اس دن کے خواب دیکھتی ہے۔ وہ رنگوں کو نہیں جانتی لیکن ان کے احساس کو جانتی ہے۔ وہ جان چکی ہے کہ دلہن رنگ سے نہیں

سنگ سے بنتی ہے۔ پھر وہ کوئی بھی رنگ پہن لے وہ دلہن رنگ ہو جاتا ہے۔ ماں بھی اس کی شادی کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ وہ ایک اچھے لڑکے کی تلاش میں بھی ہیں۔

''کس کی شادی کا ذکر کر رہی ہو مہتابی؟'' حدیثا خانم کی کھردری گونج دار آواز نے دینار کے اندر سمٹ آئے عروسی رنگ کے احساس کو تہہ و بالا کر دیا۔ وہ سہم گئی اور مہتابی بھی۔ وہ دونوں باتوں میں اتنی محو تھیں کہ گھوڑے کے باغیانہ ٹاپوں اور چمڑے کے سخت کھردرے چاپ سن نہ سکیں۔

حدیثا نے دیر تک کھڑے کھڑے مہتابی کو گھورا اور مہتابی اپنی نظریں چرا کر رہ گئی۔

''تم سے کتنی بار کہا ہے دینار کو ان منحوس گاوں والوں کی باتیں نہ سنایا کرو۔ کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ میں گھوڑے پر اپنا سفر طے کرتی ہوں اور اپنی زمینوں پر قبضے کے مقدمے کو بھگت رہی ہوں اور مجھے ایک چابک کی ضرورت بھی درپیش ہے۔''

مہتابی خاموش رہی اور اٹھ کر اس کے غسل کے لیے پانی گرم کرنے لگی۔

''میں یہ اور برداشت نہیں کر سکتی'' دینار نے آہستگی سے کہا

چمڑے کے سخت کھردرے جوتے غصے سے چہل قدمی کرتے کرتے رُک گئے۔

''آپ کو سادہ لوح گاوں والوں کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے۔ آپ انسانوں سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں۔''

حدیثا نے نخوت سے اپنی اندھی بیٹی کو دیکھا جو ہر بار یہی سوال نئے انداز سے کرتی تھی۔

''ایک عورت جو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہے اور شام ڈھلے گھر آتی ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اسے کس سے نفرت کرنی اور کس سے محبت۔ وہ دنیا میں کسی بھی علم یافتہ سے زیادہ جانتی ہے۔ تمہیں میرے علم کی قدر کرنی چاہیے اور تقلید بھی۔''

''میں نورو گل کی شادی میں جانا چاہتی ہوں۔'' اسے حدیثا خانم کے علم کی قدر تھی نا اسے تقلید کرنی تھی۔

تم ضرور جانا اگر نورو گل تمہیں بلانے کی جرات کر پائی۔''

''ٹھیک ہے! آپ مجھ پر ایسے طنز کر سکتی ہیں لیکن ایسا آپ کی وجہ سے ہی ہے۔ وہ سب آپ کی وجہ سے مجھ سے دُور رہتے ہیں۔''

''انہیں میری نفرت پر یقین ہے تو انہیں تمہاری محبت پر بھی اعتقاد ہونا چاہیے۔''

''آپ یہ جانتی ہیں کہ آپ کی زمینوں میں کب بیج ڈالا جائے گا، کب کٹائی ہوگی، کب شہر لے جایا جائے گا، کس کی زمین پر کیسے قبضہ ہوگا، قبضے کا مقدمہ کیسے جیتا جائے گا، لیکن یہ نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔''

''میری اندھی بیٹی جو مہتابی کے ہاتھ چومتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر آتی ہواؤں سے پیغام سنتی ہے وہ کیا چاہتی ہے کہ میں بھی یہی سب کروں۔''

''میں ہواؤں سے باتیں کرتی ہوں' مہتابی کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگاتی ہوں۔ میں ایسے کرنے میں خوشی محسوس کرتی ہوں۔''

لوگ نہ ہواؤں سے باتیں کرتے ہیں' نہ ہواؤں سے باتیں اخذ کرتے ہیں اور نہ ہی عقیدت و محبت کو آنکھوں تک لے جا کر احترام

نوازتے ہیں۔''

''میں آپ کی طرح عدالتی دلائل نہیں دے سکتی۔ میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ میں شادی کے گیت گانا چاہتی ہوں۔ مجھے زلفیہ خالہ کے اس تنور کی قربت درکار ہے جہاں لگے پاستل گاؤں میں آنے والے مہمان سب سے پہلے تناول کرنا چاہتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ معرفت خالہ میری انگلی پکڑیں اور مجھے جنت کے پھول کاڑھنا سکھیائیں کہ میں اپنے لیے اور آپ کے لیے ایک ایسا کرتا کاڑھ لوں جو ہمیں تنہائی کا احساس نہ دلائے۔ آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ میرا دل مچلا جاتا ہے کہ عزیزہ خالہ کی بیٹھک میں گاؤں بھر کی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ کر عظیم ڈاکو بسام کی شجاعت کے قصے سنوں اور یہ جان پاؤں کہ کیسے بسام نے ایک بوڑھے ضعیف کو اپنے کندھوں پر لاد کر دریا پار کروایا تھا۔ کیسے وہ سمرقند کے سپاہیوں میں بھیس بدل کر گھس گیا تھا۔ میں اسے کبھی نہیں دیکھ پاوں گی جیسا کہ میں کسی کو بھی کبھی دیکھ نہیں پاوں گی لیکن اگر میں اس بیٹھک میں موجود ہوں گی تو میں بسام کو اتنا جان لوں گی کہ مجھے اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں اس گھر کی گرمائش سے تنگ آ گئی ہوں، مجھے کچھ تو سرد اور تازہ ہوائیں اکٹھی کرنے دیں......''

کسی مغموم مغنیہ کی طرح وہ نغمہ سرا تھی جبکہ نیم گرم پانی میں پیر ڈبوئیں بیٹھی حدیثا نشست سے سر ٹکائے اونگھ رہی تھی۔ اس سے باخبر کے ترسک گاؤں کے واحد قہوہ خانے میں چار مرد بیٹھے اسے گالی نکال رہے ہوں گے۔

یوسف، سلیمان، حافظ، شہتاب۔ وہ ان کے ساتھ مقدمہ لڑ رہی ہے۔

اور حاتم بھی۔ وہ قہوہ خانے کا مالک ہے جس کے ساتھ اس کا کوئی مقدمہ نہیں اور رائد جو قہوہ کی پیالیاں پتھر کی سلوں پر رکھتا ہے' اور رائد کی ماں زلفیہ خانم جو تنور میں ایسے پاستل لگاتی ہے جیسے مالی باغ میں پھول لگاتا ہے۔ حاجت جو زلفیہ کا چچا ہے جسے ہر سال حدیثا سے قرض کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔ زریاب جو حاجت کا ہمسایہ اور ہم خیال ہے اور اس کی نیک سیرت بیوی قمری جو حدیثا کو نیکی کی نیت سے بدعائیں دیتی ہے۔ اس نیک سیرت بیوی کا بھائی جو چمڑے کے جوتے بناتا ہے اور انہیں مہنگے داموں گاؤں گاؤں بیچتا ہے اور گھر گھر، گاؤں گاؤں، بات بے بات جوتے بیچنے والا اور خریدنے والے اسے کوسنے دیتے ہیں اور اس پر خدا کی لعنتیں بھیجتے ہیں۔

''گھر گھر' گاؤں گاؤں' موسموں کی طرح وہ اسے بدل بدل کر کوسنے اور بدعائیں دیتے ہیں۔''

وہ عورت جو گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہو اور شام ڈھلے گھر آتی ہو۔ کیا وہ کوئی اچھی عورت ہو سکتی ہے؟ وہ کئی غریب کسانوں کی زمینیں کم داموں پر ہتھیا چکی ہے۔ وہ مردوں سے مقدمے لڑتی ہے اور انہیں اس سے بڑی گالی نکالتی ہے جو وہ اسے نکالتے ہیں۔ وہ قرضہ دیتی ہے اور سود سمیت واپس لیتی ہے ورنہ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ ان کے گھروں کا مال اسباب لوٹ لیتی ہے، گائے، بھینسیں، بھیڑیں اور صندوقوں میں بند جہیزوں کا سامان۔ ورنہ عورتوں اور بچیوں، چھوٹوں اور بڑوں کو وہ نوکر بنا لیتی ہے اور ان سے اس سے زیادہ کام لیتی ہے جتنے کے وہ قرضدار ہوتے ہیں۔ وہ نخوت کے ہالے کو اپنے گرد کھینچ کر رکھتی ہے۔ وہ خزاں میں بھوکوں کی اور جاڑے میں ٹھٹھر کر مارنے والوں کی پرسشِ حال نہیں کرتی۔ وہ بندوق کھول لیتی ہے، اسے صاف کر لیتی ہے اور اس میں بارود بھر کر اس کی نال کو انسان کی کنپٹی پر رکھ دیتی ہے۔ وہ کئی باغوں کی، کھیتوں کی، گوداموں کی اور انسانوں کی مالک ہے اور اپنے حکم کی تکمیل کروانا جانتی ہے۔ اس کا گھر گاؤں سے

الگ تھلگ کنارے پر ہے پھر بھی وہ پورے گاؤں کا چکر کاٹ کر، پگڈنڈیوں کی دُھول اُڑا کر، گلیوں میں ٹاپ دوڑا کر گھر آتی ہے۔ اور پھر یوں ترسک گاؤں اور آس پاس کے سبھی گاؤں والے اُس سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ ایسی عورت کو ناپسند کرتے ہیں جو بیوہ بن کر نہیں رہی بلکہ جس نے تو آقا بننے کی ٹھان لی۔

اکثر وہ رات میں اپنی روسی ساختہ بندوق میں کارتوس بھر بھر کر اُسے بلند پہاڑوں کے رخ پر داغتی ہے۔ چیڑ اور پہاڑی جھاڑیوں سے گھرے ترسک کے سناٹے میں ایک للکار پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھوتی سونے والوں کے اور جاگنے والوں کے کینہ پرور کانوں میں جنگاری کی لہر بن کر کڑکتی ہے کہ گاؤں سے جڑے لیکن گاؤں سے پرے اِس گھر کی طرف دیکھنے کی جرات ہے کسی میں؟ جہاں ایک جوان اندھی لڑکی اپنے گال کے نیچے دونوں ہتھیلیاں رکھ کر سوتی ہے۔ جو کرہ ارض پر موجود کسی بھی معصوم سے زیادہ معصوم ہے۔ جو مرغزاروں کے ان گیتوں کو سننے کی متمنی ہے جو اُسے سنانے کے لیے کوئی راضی نہیں ہے۔ جوان سہیلیوں سے باتیں کرتی ہیں جو ترسک میں اس کے لیے موجود نہیں اور ان بیماروں کے لیے دعا کرتی ہے جن کی عیادت کے لیے وہ نہیں گئی۔ جو لواحقین کے ساتھ آنسو بہاتی ہے اور مرنے والے کے لیے دعاِ مغفرت کرتی ہے۔

وہ ایک اور گولی داغتی ......

”ہے کسی میں ہمت کہ وہ اس گھر کی طرف دیکھے جس نے جوانی میں ہی بیوگی اوڑھ لی۔ جس کے اطراف انگوروں کی بیلیں اور پھولوں کی کیاریاں نہیں سرکنڈوں کی باڑیں لگانی پڑیں۔“

”ایک اور گولی ترسک کے قہوہ خانے میں بلند قہقہے لگاتے مردوں کو للکارتی ......“

”جاؤ اور سو جاؤ...... وہ سب جو جاگ رہے ہو یہ ارادہ باندھے کہ کبھی وہ پیچھے سے یا آگے سے مجھے آلیں گے۔ میرے گھوڑوں کو باڑے میں سے لے اڑئیں گے اور میری بندوقیں دیواروں پر نمائش کے لیے ٹنگی رہیں گی اور پھر مجھے چلا چلا کر ترسک والوں کو اپنی مدد کے لیے بلانا پڑے گا۔ مدد کی مجھے صرف اسی وقت تک ضرورت تھی جب میں مجھے یہ احساس دلایا جا رہا تھا کہ میں اکیلی ہوں اور میرے ساتھ کچھ بھی ہو جانے کے کتنے امکانات ہیں۔“

☆ ☆ ☆

مہتابی بچپن سے اب تک دینار کی سفیر رہی تھی۔ اسی نے دینار کی انگلی کی نوک پر اپنی انگلی کی نوک رکھ رکھ کر اسے کاڑھنا سکھایا تھا۔ بھدے ہی سہی لیکن وہ پھول اور پتے، شاخیں اور بیلیں بنا لیتی تھی۔ اُسی نے اُسے بتایا کہ گاؤں میں کتنے گھر ہیں اور ان گھروں میں کتنے اور کیسے لوگ رہتے ہیں۔ نور وگل کی کتنی ہم جولیاں ہیں اور کب تک وہ سب رخصت ہو جانے والی ہیں۔ ریشمی رومالوں اور اُونی جربوں میں آج کل کن نمونوں کی مانگ ہے۔ شمسی گل اور گلنارا اُس کی ہم عمر ہیں، مغفرت، ایدین، ظریفہ، اس سے چھوٹی ہیں۔ پیام، بیدال، سکندر گھڑ دوڑ کے لیے شہر جانے والے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں انہیں رخصت کرنے کے لیے تیار لیے آنے والے ہیں......

”دینار نے رنگ اور ذرے، احساس اور جذبے، مہتابی بی کی سوئی سے ہی اپنے اندر پروئے تھے۔“

مہتابی دینار کی دیکھ بھال کے لیے رکھی گئی ملازمہ تھی جواب تک اس کے ساتھ تھی۔ حدیثا کو مہتابی کی موجودی کچھ خاص پسند نہیں تھی لیکن دینار کے لیے وہ مہتابی کو برداشت کرنے پر مجبور تھیں۔ اگر دینار اندھی نہ ہوتی تو مہتابی بھی وہاں موجود نہ ہوتی۔ حدیثا کو افسوس تھا کہ ان کی اکلوتی اولاد نہ صرف اندھی ہے بلکہ بس حد درجہ اندھی ہی ہے۔

کئی بار جب وہ اپنے ہم عمر بچوں کا شور سن کر دیواریں ٹٹول ٹٹول کر باہر ان تک جایا کرتی تو شور یکدم تھم جاتا جیسے کچھ طے کیا جا رہا ہو۔ پھر اسے کچھ پتھر اپنے پیروں کے پاس گرتے ہوئے ملتے۔ مہتابی اسے اندر لے جاتی۔

یہ گاؤں بھر کے شرارتی بچے ہیں دینار۔ ان تک رسائی نہ کرو، وہ تمہیں نقصان پہنچا دیں گے۔

لیکن وہ میرے ساتھ کھیلتے کیوں نہیں؟

وہ بچے ہیں اور انہیں ابھی یہ نہیں سکھایا گیا کہ بے نور آنکھوں کے مالک کے ساتھ کیسا سلوک کرنا ہے۔

کیا وہ بے رحم ہیں؟

وہ بچے ہیں۔ وہ رحم اور بے رحمی کے بارے میں ادراک نہیں رکھتے......

اگر وہ میرے ہم عمر ہیں تو انہیں یہ ادراک ہوگا کیونکہ اگر مجھے یہ ادراک ہو چکا ہے تو انہیں کیوں نہیں......

کبھی کبھار وہ مہتابی کے گھر چلی جاتی۔ اس کی بہو تیز مزاج کی خاتون تھی۔ وہ گاؤں بھر میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ دینار اس کے بچوں سے کھیلنے کے لیے مچلتی تھی لیکن وہ اپنے بچوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتی تھی۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی رہتی۔ پھر جب وہ مہتابی کا ہاتھ پکڑ کر گھر واپس آتی تو وہ اس زور سے دروازہ بند کرتی جیسے اب دوبارہ کبھی نہیں کھولے گی۔ اسے مہتابی کے لیے افسوس ہوتا جسے ہر رات ایک ایسے گھر میں واپس جانا پڑتا تھا جہاں اس کے لیے خوش دلی سے دروازہ نہیں کھولا جاتا تھا۔

آج دینار باغ میں آئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ نورو گل سے ملے، اس سے مہمیز کی باتیں کرے اور یہ جانے کہ کس چیز نے ان دونوں کو ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا کیا۔ اس نے بہت مشکل سے مہتابی کو منایا تھا۔ وہ حدیثا خانم سے ڈرتی تھی لیکن دینار سے پیار کرتی تھی۔ اس کی محبت میں وہ بہت مجبور ہو جاتی تو اس کی مان لیتی ورنہ وہ بھی بہت بہانے کرتی۔

”سلام بخیر بیرام بابا۔“ مہتابی نے تیزی سے کہا اور اس کے ہاتھوں کی تیز تیز سرسراہٹ دینار نے محسوس کی۔

”تم......اس کے ساتھ......کیوں آئی ہو یہاں۔“ بیرام بابا نے کسی قدر تلخی سے کہا

”سلام بیرام بابا! میں سیب چرانے نہیں آئی۔ میں تو باغ کی سیر کے لیے آئی ہوں۔ مہتابی بی بی بتا رہی تھیں کہ سارے شرارتی بچے آپ کے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ مجھے حیرت نہیں ہے۔ بچے یہ سب نہیں کریں گے تو وہ بچے نہیں رہیں گے۔ مجھے کتنی خوشی ہے آپ سے ملنے کی میں بتا نہیں سکتی۔ کاش میں یہاں روز آ جایا کروں اور اس باغ کی لطیف خوشبوؤں کو اپنے ساتھ لے جایا کروں۔“

اس دوران مہتابی کے ہاتھوں کی تیز تیز سرسراہٹ بھی اس کی گفتگو کا حصہ بنتی رہی کہ جیسے ایک طرف دینار بول رہی ہے اور ایک طرف مہتابی اپنے ہاتھوں سے کلام میں مصروف ہے۔

''آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟'' دینار نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ چاہتی تھی کہ سب دیکھ لیں کہ وہ مسکرا سکتی ہے اور خوش اخلاقی سے ان سب کا خیر مقدم کر سکتی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے حدیثا اور دینار میں فرق ہے۔

''میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں مہتابی.....'' بیرام بابا کی کچھ خفا کچھ تلخ سی آواز منتشر ہوئی۔

''ہاں پھر میری عزت کے لیے ہی.....میں.....میری.......''

کیسی آواز تھی مہتابی کی.....دھیمی اور کپکپاتی ہوئی..... ہاتھوں کی سرسراہٹ بھی کتنے عجیب تر جمے کرنے لگی تھی۔

''آؤ چلیں اندر دینار۔'' آخر کار مہتابی کی آواز سے کپکپاہٹ دور ہوگئی۔

''بیرام بابا کہاں ہیں۔ انہوں نے میری کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے سلام کا بھی۔''

وہ مستقل تمہاری باتوں پر سر ہلا رہے تھے۔ دراصل ان کا دھیان کسی اور طرف تھا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہے کہ وہ باغ کے رکھوالے ہیں وہ اپنی توجہ باغ سے نہیں ہٹا سکتے۔ باغ کے کسی گوشے سے انہیں کسی کے کودنے کی آواز آئی تو وہ اس طرف تیزی سے بھاگ گئے۔''

ایسا ہی ہے۔ میں نے کسی کو تیزی سے جاتے محسوس تو کیا۔ کیا بیرام بابا نے اجازت دے دی۔

ہاں خوشی سے.....آؤ اندر چلیں.....

کیا نور وگل آج آئی ہوگی۔؟؟

شاید......

''سلام بخیر مہتابی خالہ'' نور وگل کی آواز آئی۔

یہ نورو ہی ہے نا بی بی۔ ہاں یہ وہی ہے۔ اُسی کی آواز ایسی خوش کن ہے۔''

''اِسے کہاں لیے گھوم رہی ہیں خالہ۔'' اس کی آواز میں تمسخر کا پہلو زیادہ نمایاں تھا یا تلخی کا دینار جانچ نہ سکی اور دُکھ سے خاموش ہوگئی۔ ''شاید مہمیز کے انتظار نے اسے نمکین کر دیا ہے۔'' دینار نے سوچا۔

مہتابی کے ہاتھ پھر سے تیزی سے چلتے محسوس ہوئے۔

''کیا ہوا مہتابی کیوں ہلکان ہو کر ہاتھ چلا رہی ہو؟ دینار ہنس دی۔ ''یوں لگتا ہے اشاروں میں کسی سے بات کر رہی ہوں۔ تم نے کبھی بتایا نہیں۔ کیا گاؤں میں کوئی گونگا بھی ہے۔''

''ٹھیک ہے مہتابی خالہ.....ٹھیک ہے......۔'' نورو کی صلح جو لیکن تلخی سے معمور آواز آئی۔

نور وگل اِدھر آؤ مجھے اپنا ہاتھ دو۔ میری سہیلی بن جاؤ۔ میں تمہیں شادی کی دُعا دیتی ہوں جس سے تمہارا دل آباد رہے۔''

''مجھے تم سے کوئی دعا نہیں چاہیے۔''

خاموشی رہی پھر نور وگل کی آواز آئی۔ ''ٹھیک ہے مہتابی خالہ.....ٹھیک ہے۔ آپ کی عزت کے لیے ہی سہی۔'' نور وگل نے اپنا ہاتھ دینار کے ہاتھ میں دے دیا۔

کیا ہم اب سہیلیاں ہیں؟

نورو گل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ''تم میری شادی میں آ سکتی ہو۔'' اس نے اتنا کہا اور پھر۔ ''مہمیز کا کہنا ہے کہ ہماری شادی میں سارا گاوں شریک ہونا چاہے کیا دوست کیا دشمن۔ وہ تو یہ بھی چاہتا ہے کہ ہم بسام ڈاکو کو بھی کسی طرح شرکت کی دعوت دے دیں لیکن۔'' وہ ہنس دی۔ شاید تمسخر سے شاید شرارت سے۔ ''تم ہی ٹھیک ہو۔'' وہ کچھ دیر بعد یہ کہہ پائی۔

''میں ضرور آوں گی۔ مہمیز کا شکریہ۔ میں تمہارے لیے ایک کرتا کاڑھوں گی جس پر کھلے پھول کبھی نہیں مرجھائیں گے۔''

مہتابی نے عجلت کا مظاہرہ یکدم کیا۔

وہ دونوں حدیثا کی آمد سے پہلے گھر آ گئیں۔ دینار کے گاوں کی مٹی سے اٹے جوتے صاف کر دیئے گئے تھے۔ اسے ایک سہیلی مل گئی ہے اور اسے اب اس کی شادی میں بھی تو جانا ہے۔ خوشی سے وہ اتنا کھانا کھا گئی کہ حدیثا نے اسے غور سے دیکھا اور پھر مہتابی کو۔ پھر اس نے آتش دان میں جلتی لکڑیوں کو بے دردی سے کھرچا اور اتنی آگ بھڑکا دی کہ مہتابی کو لگا سارا گھر جل ہی جائے گا۔ تلخی سے جوتے اتارے بناء کہ جیسے اسے کسی اگلے محاذ پر لڑنے جانا ہے وہ بستر پر گر گئیں۔ دینار خاموشی سے گود میں ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی اور مہتابی گرم کمرے میں ٹھنڈی آہیں بھرنے لگی۔

دینار کو اپنی ماں کے کھردرے رویے سے چڑ تھی بلکہ نفرت۔ اگر وہ حدیثا ماں کی بجائے کسی غریب کسان یا باغ کے رکھوالے کی بیٹی ہوتی تو خوش ہوتی۔ اس کے کمرے میں شہر کی لائیں چیزیں بھری ہوئیں تھیں جس میں اس کی چنداں دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے پاس بہترین ریشم اور کمخواب تھے اور ان پر بیل بوٹے بنے تھے جو نگینوں سے دمکتے تھے جیسا کہ مہتابی بتاتی ہے لیکن اسے ان سب سے کیا۔ وہ حدیثا ماں کے ساتھ شہر گئی تھی لیکن شہر کے شور نے اسے متاثر نہیں کیا۔ وہ یہ سوچے بناء نہیں رہ سکی کہ جس زمین پر ہم پیدا ہوتے ہیں دراصل وہی زمین ہمارے اطمینان اور خوشی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوتی ہے۔ جہاں ہماری جڑ ہو وہیں ہماری افزائش ہوتی ہے۔ اگر ہم وہاں خوش نہ رہ سکیں جہاں پیدا ہوئے ہوں تو وہاں بھی نہیں رہ سکتے جہاں مرنے تک کے لیے جا ٹھہرے ہو، اور وہ زمین پر موجود باغ عدن ہی کیوں نہ ہو۔

جن دنوں نورو گل کی شادی تھی حدیثا ماں اُسے شہر لے گئیں۔ انہیں کچھ زیادہ دن شہر میں رہنا تھا اور وہ دینار کو اتنے دن تک ترسک میں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ دینار پوری جان سے روتی رہی اور کھانا کھانا ترک کر دیا۔

''کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ میں اپنی سہیلی کی شادی میں شرکت کروں؟

''تمہاری کوئی سہیلی نہیں ہے۔ تمہارا اگر کوئی ہے تو وہ میں ہوں۔''

یہ میری بدنصیبی ہے کہ آپ میری ماں ہیں......ایک ظالم ماں......آپ ظالم ہیں......بہت ظالم......سب کے لیے ظالم......

حدیثا نے کسی قدر دلچسپی سے دینار کو دیکھا جو بے نور آنکھوں لیے ظلم کی تفسیر بیان کر رہی تھی۔ اسے اس سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس کی بیٹی اسے کیا کہہ رہی ہے کیونکہ حقیقت الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسی لڑکی کی بات کو خاطر میں نہیں لاتی تھی جس نے پہاڑوں

میں اڑنے والے چند پرندوں کی آوازیں سنی تھیں اور گھر میں بیٹھ کر بدلتے موسموں کے مزے چھکے تھے۔

’’ٹھیک ہے میں ظالم ہوں......لیکن میں اکیلی ہی نہیں ہوں...... جب تمہارے سر کے بال سفید ہونے لگے گے تو تم جان جاوگی کہ ہم سب موقعے کی تلاش میں ہوتے ہیں اور پھر ہم سب تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں......اگر میں بری ہوں تو مجھ سے زیادہ برے بھی موجود ہیں......ان بروں سے زیادہ برے بھی......اور پھر ان سب سے بھی زیادہ......ایک سے بڑھ کر دوسرا ہمیشہ موجود رہتا ہے......

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

’’مہتابی بنفشی گل کی شادی سر پر ہے، اناج کی صفائی کے لیے تمہیں آنا ہوگا۔‘‘ گھر سے باہر مہتابی اسے کچھ دیر کے لیے لے کر نکلی تھی کہ دُور سے کریمہ نے اُسے دیکھ کر بلند آواز سے کہا اور چلی گئی۔

بنفشی گل کی شادی ہے بی بی مہتابی۔کب؟۔وہ میری ہم عمر ہے مجھے اس کی شادی میں ضرور جانا ہوگا۔کیوں بی بی، کیا بنفشی کی والدہ مجھے بلائیں گی؟

حدیثا خانم تمہیں نہیں جانے دیں گی میری بچی......

میں ضرور جاوں گی۔ مجھے جانا ہی ہے چاہے کیسا ہی بدنصیب ہوکر کیوں نہ جانا پڑے۔

مہتابی خاموش ہوگئی۔

مجھے بنفشی گل کے دلہا کا نام پھر سے بھول گیا۔ایسے انسان کا نام کیسے بھولا جا سکتا ہے جس کی شجاعت زبان در زبان سفر کرتی ہر سماعت سے کلام کر چکی ہو۔

اس کا نام شہپر ہے۔وہ ایک فوجی ہے۔اس نے سرحد پر اپنے سینے پر گولی کھائی ہے، اپنے زخموں کو دشمن کی طرح شکست دی ہے۔ کریمہ کے پیر زمین پر نہیں ٹکتے۔وہ خود اقرار کرتی ہے کہ بیٹی کے اس رشتے کے بعد سے اس نے زمین پر پاوں نہیں رکھے۔اپنے داماد کو دینے کے لیے اس نے بہت کچھ اکھٹا کر لیا ہے۔بنفشی گل ایک ایسا قالین بنا رہی ہے جسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ انسانی ہاتھ ایسا کمال کر سکتے ہیں۔وہ اس کے جہیز کی سب سے بہترین چیز ہے۔خدا اسے خوش رکھے۔

کاش میں وہ قالین دیکھ سکتی۔کیا میں اسے چھو بھی نہیں سکتی؟

’’جہیز کی چیزوں کو احتیاط سے رکھا جاتا ہے دینار۔‘‘

تو پھر ہم شادی میں جائیں گے...... ہے نا؟

اگر حدیثا خانم گھر میں موجود ہوئیں؟

’’اگر وہ ہوئیں تو بھی اگر نہ ہوئیں تو بھی، مجھ پر اور سختی نہیں کی جا سکتی۔‘‘اس کے انداز میں کامل ضد تھی۔

’’اور پھر بنفشی گل کی شادی کا دن بھی آ گیا......‘‘

حدیثا دوسرے گاوں گئی تھی۔ دینار نے بنفشی کی شادی میں جانے کی ساری تیاری کر لی تھی۔ جیسا کہ مہتابی نے کہا اس نے دُلہن رنگ پہنا تھا۔ تحفے کے طور پر اس نے حدیثا کا خاص اس کے لیے سمرقند سے منگوایا کرتا نکالا تھا۔ اس نے مہتابی سے خود کو خاص انداز سے تیار کرنے کے لیے کہا تھا۔ سر پر اس نے گہرا گلابی رومال لپیٹا تھا جس کے کنارے کنارے جڑے سنہری ستارے اس کی گلابی پیشانی پر فخر سے جھلملا رہے تھے۔

کیا میں شادی میں جانے کے لائق ہوگئی ہوں بی بی؟

''ہاں! جیسے صرف تم ہی......''

''میں چاہتی ہوں ان سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں ان کی خوشی میں کس قدر خوش ہوں۔''

''وہ تمہاری آمد کے منتظر ہوں گے۔''

''پھر یقیناً گاؤں کے دوسرے لوگ بھی مجھے شرکت کی دعوت دیا کریں گے۔''

''ایسا ہو ہی جائے گا......''

اگر ماں آ گئیں تو بھی میں شادی کے گھر سے جلدی نہیں آوں گی۔ حتیٰ کہ ماں اگر مجھے گھسیٹ کر لے جانے پر بضد ہوئیں تو بھی۔''

کریمہ نے کہا کہ اسے تمہارا انتظار رہے گا میری بیٹی۔ میرے لیے یہ بات باعث فخر ہے۔ اس نے کہا میں دینار کو اپنے ساتھ لا سکتی ہوں۔

مہتابی نے اس کے گالوں پر ہلکا سا غازہ لگا دیا۔ دینار کی خوبصورتی کے چرچے ہر زبان پر رہے تھے کہ وہ اپنی ماں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اگر اس کی آنکھوں کا نور قائم رہتا تو اسے کوئی شہزادہ بیاہنے آتا۔ اگر کوئی شہزادہ نہ آتا تو وہ اپنی ماں سے زیادہ ظالم ہوتی۔ پھر وہ بندوق سے گولی نہ داغا کرتی، بس اشارہ کیا کرتی اور تباہ کر دیا کرتی۔

شادی کا گھر گاؤں بھر کے لوگوں کی موجودی اور آوازوں سے اس سے کہیں زیادہ پر رونق تھا جتنا دینار نے تصور کیا تھا۔ اس کا شانہ کئی ایک سے ٹکرا، اس کا سر اور گھٹنے بھی، اس پر بھی وہ خوش ہوئی جیسے یہ بھی شادی کی کوئی رسم ہو۔

سب مہتابی سے سلام دعا کرتے اور دعائیں لیتے رہے۔

''کسی نے بھی مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔'' دینار نے اداسی سے کہا۔

''وہ تمہیں مسکرا مسکرا کر دیکھ رہے ہیں دینار۔ میں بڑی ہوں میری عزت کے لیے مجھے سلام کرنا ضروری ہے۔''

وہ لڑکیوں کے حصے میں آئیں جہاں دلہن کو تیار کیا جا رہا تھا اور روایتی گیت گائے جا رہے تھے۔ دینار کو دیکھ کر گانے والیوں کی آواز اچھبنے کا شکار ہوتی معمولی سے وقت کے لیے رُک گئی۔ پھر انہی سب لڑکیوں نے عجیب وغریب قہقہے لگائے۔

''مہتابی خالہ'' کہیں کسی کونے سے ہونہہ میں لپٹی سوالیہ صورت یہ آواز آئی ہی تھی کہ مہتابی فوراً بولی۔

''مجھے اور دینار کو کریمہ خانم نے بہت اصرار سے بلایا ہے۔ ہم بنفشی کے لیے نیک تمنائیں لائیں ہیں اور شہپر کو دیکھنے کے لیے بے

تاب ہیں۔''

دینار نے مہتابی کے ساتھ مل کر دلہن کو اس کا تحفہ دیا۔ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ وہ دلہن کے ساتھ بیٹھنا چاہتی تھی لیکن مہتابی اسے دوسری طرف لے کر بیٹھ گئی۔ دینار لڑکیوں کے ساتھ آواز ملانے کی کوشش کرنے لگی۔ اُسے تھوڑے بہت یہ گیت آتے تھے جو مہتابی نے اسے سکھائے تھے۔ ان سب کو بارات کا انتظار تھا۔ بارات جو دو دن اور تین راتوں کی مسافت طے کرتی آ رہی تھی۔ وہ راستے میں دو سراؤں میں قیام کر چکے تھے۔ اب بارات دلہن کے گھر کی طرف آ رہی تھی۔ روانہ ہو چکی اس بارات کی آمد سے پہلے کریمہ کے چچازاد بھائی جنہیں سرائے میں بارات کے قیام کے انتظام کو دیکھنا تھا وہ ترسک پہنچ گئے۔ اور ان سب کو ایک ایسی بات بتانے لگے جو ان سب سے چھپائی گئی تھی لیکن جو وہ اپنی ہوشیاری سے بھانپ گئے تھے۔ کہ دولہا بے شک شہپر ہی ہے لیکن نہ وہ کبھی فوجی رہا ہے اور نہ ہی وہ شجاعت میں کسی عام آدمی سے کہیں آگے ہوا ہوگا۔ وہ تو ایک جھکی کمر والا تقریباً کبڑا' جوانی کو خیر باد کہہ چکا خچر سے بھی بدتر شخص ہے جو سولہ سالہ بنفشی گل کو بیاہنے آ رہا ہے۔ جس لڑکے کو شہپر کہا گیا تھا وہ اس کا قریبی دوست ہے۔''

کریمہ خالہ نے شدت غم سے اپنے گھٹنوں کو تھام لیا اور رکوع صورت آہ و بکا کرنے لگیں۔

جلد ہی جب وہ اس صدمے سے باہر آئے تو غصے سے بھڑکنے لگے۔

''ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ سنتاپ والوں کی جرات کیسے ہوئی کہ وہ ہمارے ساتھ یہ دھوکا کریں۔'' بنفشی کے والد کا طیش سے کچھ ایسا حال ہو گیا کہ وہ کھڑے کھڑے کئی باراتیوں کو چبا جائیں گے۔

''اب شادی کرنی ہی ہوگی...... بارات سر پر ہے...... ہم اپنی زبان سے نہیں پھر سکتے...... میری ننھی بنفشی گل...... میری بنفشی......'' کریمہ جو اولین وقت سے حالت رکوع میں کھڑی تھی روتے ہوئے بولی۔

''انہوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے انہیں سزا ملنی چاہیے......'' یہ یوسف تھا جو ابھی تک مقدمہ ہارنے کی وجہ سے راتوں کو سو نہیں پاتا تھا اور نت نئے طریقوں پر غور کرتا تھا کہ حدیثا کو کیسے زچ کرے۔ کیسے اس سے بدلہ لے' اس کی زمینوں کو ہتھیا لے۔

''ہم ان کے سامانِ سفر غصب کر لیں گے' پھر انہیں مشقتیں جھیلتے سنتاپ واپس جانا ہوگا۔''

''وہ یہاں آئیں گے تو انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ بارات خالی ہاتھ لوٹائی جائے گی۔ پھر وہ سنتاپ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ان کی سات نسلیں یاد رکھیں گی کہ کیسے ترسک کے باشندوں نے انہیں ذلیل و خوار کر کے نکالا تھا۔'' حاتم نے جو بنفشی گل کا تایا ہیں نے یوسف کے خیال کی تائید کی۔

''ان کی آئندہ نسلوں کو یاد رکھنا ہی ہوگا کہ کیسے ترسک والوں نے انہیں منہ توڑ جواب دیا۔ کیسے انہوں نے انہی کی بازی پلٹ دی۔ انہوں نے جھوٹ بولا۔ انہیں لگا کہ پھر اپنی عزت کے نام پر ہم خاموش رہیں گے اور لڑکی کا نکاح دے دیں گے۔ وہ ایک کبڑا بڈھا لائیں ہیں ہم انہیں ایک اندھی دیں گے۔ وقت آ گیا ہے کہ دونوں کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ بارات کو آنے دو۔ سب مل کر اس کا خوشدلی سے استقبال کرو۔ پھر نکاح کے بعد ہم انہیں ٹھکانے لگا دیں گے۔''

''حدیثا ہمیں مار ڈالیں گی۔''

''مار ڈالے لیکن پھر وہ کیا کر لے گی.....بلبلائے گی.....اسے بلبلانا چاہیے.....یہ وہ چوٹ ہوگی جو ہماری ساری چوٹوں کا بدلہ لے لے گی۔''

مویشیوں کے باڑے میں جہاں خشک لکڑیوں کا ڈھیر بھی آگ جلانے کے لیے رکھا تھا انہوں نے یہ طے کیا۔

کس کس نے..... یہ جاننا ضروری نہیں رہا۔ کس کس نے نہیں..... یہ بھی......

☆ ☆ ☆

بارات آگئی اور سب نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا۔ نکاح کا وقت آیا تو سرپرست نے صرف اتنا کہا کہ لڑکی کا حقیقی نام دینار بنت رسول مصطفیٰ ہے اور یہ کہ دینار میرے مرحوم چچازاد بھائی کی اولاد ہے، میری بیٹی جیسی، بلکہ میری بیٹی ہی ہے پیار سے ہم اسے بنفشی گل کہتے ہیں۔

جو کبڑا بڈھا لے آئے تھے انہیں لڑکی کے حقیقی اولاد نہ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ مہتابی کو زلفیہ اور قمری گھر کے پیچھے اس میدان میں لے گئیں جہاں تنور پر نان لگائے جا رہے تھے اور جا بجا آگ پر کھانے پکائے جا رہے تھے۔ مہتابی نے اسے اعزاز سمجھا کہ شادی کے گھر کے کھانے کو اس کی نگرانی میں دیا جا رہا ہے۔ گو یہ مشکل کام تھا لیکن اسے اچھا لگا۔ وہ دینار کو چند لڑکیوں کے پاس بیٹھا آئی تھی جو اب دینار سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگیں تھیں۔ انہوں نے دینار کے لباس کی دل کھول کر تعریف کی اور اس کے حسن کی بھی۔ وہ دینار سے شکوہ کر رہی تھیں کہ وہ ان کے گھروں میں کیوں نہیں آتی اور یہ کہ دینار کی آواز بہت پیاری ہے، وہ انہیں کوئی گانا کیوں نہیں سناتی۔ وہ اب اسے یہ وعدہ دے رہی تھیں کہ وہ اس کے گھر آیا کریں گی۔ حدیثا خالہ کچھ بھی کہیں وہ اسے اپنے ساتھ لے جایا کریں گی اور بہار میں دریا کنارے وہ سب مل کر بیٹھا کریں گی۔

دینار جس نے ساری دینا کی ساری آوازیں مہتابی کے دہن سے سنی تھیں۔ سارے نظارے مہتابی کی بینائی سے ہی کئے تھے۔ اب اپنی سماعتوں سے سب سننے اور محوسات سے محسوس کر کے دیکھنے لگی تو خوشی سے دیوانی ہونے لگی۔

کسی ایک نے اس کے سر پر ریشمی جالی کا گھونگھٹ ڈال دیا۔ اسے کہا گیا کہ وہ دلہن کی سہیلی ہے اور دلہن کے پہلو میں بیٹھی ہے اپنے سر کو جھکا کر رکھے۔ سنتاپ والوں کی رسم ہے کہ دلہن کی سہیلی سے رسما پوچھتے ہیں کہ کیا اسے یہ نکاح قبول ہے جیسا کہ سرپرست سے اجازت لی جاتی ہے۔ یہ رسم دلہن کے لیے آسانیاں اور خوشیاں لاتی ہے اور سہیلی کے لیے بھی۔

دینار ہر بات پر سر ہلاتی رہی۔ ''ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے.....بنفشی کی خوشی کے لیے سب کچھ.....ہاں میں ایسا ہی کروں گی۔''

جس وقت حدیثا خانم دوسرے گاؤں میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ایڑ لگانے ہی والی تھی اور مہتابی بڑے بڑے برتنوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر لذیذ کھانوں کو دیکھ رہی تھی کہ انہیں اب اور کتنا پکانا ہے اور ترسک گاؤں کے پہلو میں گرتی آبشار میں ایک سریلی چڑیا کا مردہ جسم پانی کے ساتھ بہہ کر چٹانوں سے ٹکرانے ہی والا تھا، ٹھیک اسی وقت دینار اپنے سر کو اثبات میں ہلا رہی تھی تا کہ اس کی سہیلی، گاؤں

کی دلہن کا نصیب اچھا رہے۔ وہ اپنے پیارے شوہر شہپر کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارے۔

اسے لگا کہ آج یہ شادی کا دن ختم ہو جائے گا تو اس کی زندگی کی عید ختم ہو جائے گی۔ وہ کس قدر خوش تھی کہ دلہن کے گھر والوں نے اسے یہ اعزاز دیا کہ وہ دلہن کی سہیلی بن کر دلہا والوں کی رسم ادا کرے۔ اس کا دل اس خوشی سے اتنا لبالب ہو گیا کہ اس نے محسوس کیا کہ وہ اتنی ہی خوش رہے گی تو وہ اندھی بھی نہیں رہے گی۔ وہ جلد ہی دیکھنے لگے گی بلکہ اس نے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ گاؤں والوں کی اس محبت اور ایسے اعزاز نے اسے نور بخش دیا ہے۔ اُسے نظر آ رہا ہے کہ کیسے دلہن توت فرنگی رنگ اوڑھے شرم سے اپنے گالوں کو سرخ کر رہی ہے۔ اس کی آنکھیں جھکی ہیں لیکن دراصل وہ اب ہی تو وا ہوئیں ہیں۔ وہ دنیا میں کسی بھی منظر سے پہلے شہپر کو دیکھنا چاہیں گی اور بس اسے ہی.....ٹھیک ہے وہ سب دیکھ رہی تھی۔ دلہن کی آبدیدہ آبدیدہ اور اتنی ہی زیادہ خوش ماں کو، بنفشی کی ساری سہیلیوں کو جو اس کے چلے جانے کے خیال سے بس اب غمزدہ ہوئی ہی جاتی ہیں۔ گاؤں کے دوسرے بڑے بوڑھوں کو جو دیکھ رہے ہیں کہ ننھی بنفشی گل اب بنفشی خانم ہو گئی ہے۔ معتبر اور ہر حال میں قابل احترام۔ وہ سب دیکھ رہی تھی لیکن یہ نہیں کہ لڑکیوں اور عورتوں، مردوں اور بچوں کا جھرمٹ دراصل اس کے سر پر کھڑا ہے۔ نورو گل جو تمسخر سے ہنس رہی ہے اور شمسی گل، مغفرت، ایدین، گلنارا اور ظریفہ جنہیں وہ اپنی سہلیاں مانتی ہے۔ کریمہ اور زلفیہ خالہ جن کے وہ مہتابی کی طرح ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگانا چاہتی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھ پائی کہ قہوہ خانے کا مالک حاتم بھی وہیں موجود ہے جس کے لیے اس نے ایک بار دعاِ صحت کی تھی اور یوسف، سلیمان، رائد اور بیرام بابا بھی جن کے بارے میں وہ یہ گمان نہیں رکھتی کہ وہ اس کے لیے کیسا خیال رکھتے ہیں۔

رکوع کے بل قیام کے لیے تیار مہتابی دینار کی طرف بھاگی آئی۔ نکاح کے بعد اس کی بہو نے تمسخر سے ہنستے ہوئے مہتابی کو بتا دیا تھا اور یہ بھی کہ وہ حدیثا کے ہاتھوں اپنے انجام کے لیے تیار ہو جائے۔

''دینار یہ تم نے کیا کیا؟ دینار.....'' مہتابی نے ایسے غم سے جو صبر سے کبھی آشنا نہیں ہو پاتے سے مچلتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا بی بی؟ دینار نے جو ابھی بھی مسکرا رہی تھی نے مہتابی کی آواز کی سمت دیکھنا چاہا۔ اسے لگا آج وہ پیاری مہتابی کی شکل ضرور دیکھ لے گی۔ وہ دیکھ لے گی کہ اس کی ماں سے زیادہ جس نے اُس سے پیار کیا ہے وہ کیسی ہے۔ آج وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگائے گی۔ بار بار ایسا ہی کرے گی......

دینار! مہتابی سسکنے لگی اور اس پر ایسے رعشہ طاری ہو گیا جیسے اس کے پیروں تلے کی زمین قائم نہ رہنے پر مائل ہو۔

یہ کیا کیا تم نے ملعونوں......خدا تمہیں غارت کرنے میں دیر نہ کرے۔ یہ تم نے اس معصوم کے ساتھ کیا کیا......

دینار پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔ ''بی بی کیا ہوا......کیا ہوا'' وہ اُٹھ کر مہتابی کی سمت جانے لگی۔

مہتابی ان تماش بینوں کے جھرمٹ میں رونے لگی۔ اس نے ماتمی انداز میں اپنے سر پر ہاتھ مارے۔

''دینار......میری بچی دینار......بنفشی کو ایک کبڑا بڈھا دلہا بیاہنے آیا تھا......انہوں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا''

مہتابی کے بے صبر غم کے اس جواب نے دینار کو ایسی کامل خاموشی سے ہمکنار کر دیا جو لمحوں میں بوڑھا کر دیتی ہے اور اتنے ہی لمحوں

میں مردہ......

دینار نے اپنے گھونگھٹ کو ہاتھ سے الٹا۔"خالہ...... مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا......"

دینار کا جس کا اصل اندھے پن سے اب واسطہ پڑ چکا تھا کی اس بات سے کئی کھی کھی کرنے لگے کہ اندھی کہہ رہی کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔

مہتابی نے نفرت سے سب کو باری باری دیکھا' اسی نفرت کا مستحق خود کو بھی پایا۔اس نے ایک نابینا کو جو بینائی عطا کی تھی وہ حقیقی بینائی کے خلاف ایک کھلا تضاد تھی۔ اسے بتا دینا چاہیے تھا، وہ سب جو حقیقی تھا، بیرام سے نورو، بنفشی اور گلنارا، سلیمان اور یوسف، کریمہ اور زلفیہ، مویشوں کے باڑوں سے لے کر چوپالوں تک، قہوہ خانے سے لے کر شہر جانے والے راستے تک، اس گاوں سے اس گاوں تک، وہ سب کے لیے نفرین تھی۔

"تم خدا کے عذاب کے مستحق بنو گے۔تمہاری توبہ تمہیں اس عذاب سے کبھی بری نہیں کر پائے گی۔ میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک تمہیں بددعائیں دوں گی۔تم ہمیشہ خدا کی ناراضی کے بوجھ تلے دفن رہو گے۔"

"خدا ہر بندے کو موقعہ دیتا ہے کہ وہ اپنا بدلہ لے لے......"یوسف نے کہا۔

وہاں کھڑے ترسک والوں نے یوسف کی تائید کی۔کسی نے سر ہلا کر، کسی نے آنکھوں کی چمک سے اور باقی سب نے اقرار سے نہ انکار سے۔اوران سب میں سب سے برے وہی تھے جو خاموش رہے، نہ مدد کی نہ مذمت۔وہ اچھوں میں ہوئے نہ بروں میں۔

"ترسک ایک ایسا گاوں جس کے باسیوں کے چہروں پر خشکی کی تہیں جمی تھیں اور جن کی آنکھیں کینہ پروری سے آشنائی کے سبب اندر کو دھنسی تھیں۔"

خدا انسان نہیں ہے...... وہ بدلے نہیں لیتا...... وہ تمہاری طرح نہیں سوچتا...... وہ ظلم کے موقعے نہیں دیتا......"مہتابی چلا اُٹھی

"بی بی مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا...... مہتابی......" دینارا اپنے ہاتھوں سے نہ جانے کیا کیا ٹٹولنے لگی۔

مہتابی نے مزید نفرت سے انہیں دیکھا اور پھر سے خود کو۔اسے کیا ضرورت تھی کریمہ کی منت کرنے کی کہ وہ دینار کو شادی میں آنے کی اجازت دے دے۔

"رخصتی کا تقاضا کیا جا رہا ہے جاو جا کر اس کی ماں کو خبر کرو......" بیرام بابا نے کہا جبکہ بنفشی گل کے بابا نے طیش سے باہر کی سمت لپک کر دولہے کے باپ کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

"سنتاپ والوں اب یاد رکھنا دھوکے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔تم ایک کبڑا لے کر آئے تھے ہم نے تمہیں آنکھوں کی اندھی تھما دی...... جاو لے جاو اسے......اب اس بوجھ کو ساری عمر ڈھوتے رہو۔"

لڑتے لڑتے بات بہت دُور نکل گئی، شام ڈھل آئی۔گاوں کی کچی پگڈنڈیوں اور گلیوں میں دھول اُڑاتا حدیثا کا گھوڑا گزرتا چلا گیا، مہتابی غم سے بے حال حدیثا کے پیچھے بھاگی۔

کبڑے دولہے کے باپ کو ایک اندھی لڑکی جو ایک امیر بیوہ کی بیٹی تھی کو قبول کرنے میں تامل نہ ہوا۔ اُسے غصہ تھا تو بس اتنا کہ ترسک گاوں کے مجمعے میں اس کا گریبان پکڑا گیا اور اس کے قابل احترام بیٹے کو کئی ایسے ناموں سے پکارا گیا جو کسی صورت ادائیگی کے لے مناسب نہیں۔

ایک ایسی بارات جس میں دلہن بھی موجود تھی اور ایک ایسا مجمع جس میں کوئی خیر خواہ موجود نہ تھا لے کر وہ سرکنڈوں سے گھرے گھر کی طرف آئے جس کی دیواروں پر کہیں سے بھی کسی بھی چراغ کی روشنی نہیں پڑ رہی تھی، نہ ترچھی نہ سیدھی۔

مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا...... مہتابی میری روشنی ...... میرا نور......'' دینار وقفے وقفے سے بڑبڑاتی رہی۔ اور اپنے گھر جہاں اُس کی ماں اندھیرہ کیئے بیٹھی تھی اور جس کی نشست کے پاس نیچے مہتابی بیٹھی اپنے آنسو بہا رہی تھی کی دہلیز پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔

''مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ماں......'' اس نے اتنا کہا اور رونے لگی۔

حدیثا کے کپکپاتے ہاتھ سب نے دیکھے اور پھر اس نے گھونگھٹ کو ذرا سا الٹا۔ دینار کے کان کے پاس سفید بالوں کی ایک تازہ کائی جمی تھی جو زیادہ پرانی نہیں تھی بس یہی شام چڑھے سے شام ڈھلے کے کہیں درمیان وہاں کند ہوگئی تھی۔

''میں نے کہا تھا دینار...... اب بھی تو نابینا ہوئی ہو...... پہلے تم نے نابینا بنے رہنے پر اکتفا کیوں نہ کیا؟

سنہری بال تیزی سے سفیدے کی لپیٹ میں آنے لگے۔

''جاو اپنے دولہے کے ساتھ...... مہتابی دروازہ بند کر لو......''

اور پھر......

دینار خچر پر بیٹھی اپنے دولہے کے برابر سفر کرتی ''کتنا اندھیرہ ہے...... مجھ...... مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا...... مہتابی...... ماں......'' بڑبڑاتی جا رہی ہے۔ اور مہتابی حدیثا سے کئی بار پوچھ چکی ہے کیا وہ چراغ روشن کر دے جبکہ وہ مسلسل ایک ہی جواب پا رہی ہے۔

''نہیں! اب روشنی سے کسے سروکار ہے۔'' اور گاوں سے گاہے بگاہے بندوقیں پہاڑوں کے رخ بلند کی جا رہی ہیں......

☆☆☆☆☆

The end